مطالعۂ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورَۂ ھُود

آیات ۱۰۶ تا ۱۰۸

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ○ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ○

"تو جو بدبخت ہوں گے وہ آگ میں (داخل) ہوں گے۔ اس میں چیختے چلاتے رہنا ہی ان کا مقدر ہوگا۔ وہ اسی میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم رہیں، الّا یہ کہ تیرا رب ہی (کچھ اور) چاہے۔ یقیناً تیرا رب جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ اور جو نیک بخت قرار پائیں گے تو وہ جنت میں (داخل) ہوں گے۔ اسی میں رہنے کو جب تک زمین و آسمان قائم رہیں، سوائے اس کے جو چاہے تیرا رب۔ یہ عطیۂ الٰہی ہوگا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔"

سورۂ ہود کی ان آیاتِ مبارکہ میں احوالِ آخرت کا بیان نہایت منفرد اور انوکھے پیرائے میں ہوا ہے۔ محاسبۂ اخروی کے نتیجے میں نسلِ آدم کا دو گروہوں میں منقسم ہو جانا جن میں سے ایک کو رحمتِ خداوندی اپنی آغوش میں لے لے گی اور دوسرا عذابِ خداوندی کا نوالہ بنے گا، قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر مذکور ہے لیکن قرآن کا اعجازِ کلام یہ ہے کہ ہر جگہ بیان کی ایک نئی شان ہے، بالکل "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ" کی سی کیفیت کے ساتھ۔ یقیناً بالکل صحیح فرمایا ہے علامہ اقبال مرحوم نے قرآن حکیم کی شان میں کہ ؎

مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست ایں! زندہ و پایندہ و گویاست ایں!

© rasailojaraid.com

آیت ۱۰۵ ختم ہوئی تھی ان الفاظ مبارکہ پر کہ "فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ" یعنی قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک کے لیے لفظ 'شقی' استعمال ہوا اور دوسرے کے لیے 'سعید'۔ شقی کا صحیح ترین مفہوم فارسی کے لفظ بدبخت سے ادا ہو سکتا ہے اور سعید کا نیک بخت سے۔ لیکن نہایت لطیف نکتہ یہ ہے کہ آگے "فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا" میں فعل کا صیغہ معروف استعمال ہوا ہے جس میں ارادۂ فعل کی نسبت فاعل کی جانب صراحت کے ساتھ ہوتی ہے اور "اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا" میں فعل مجہول لایا گیا جس میں فعل کی نسبت فاعلی شخص مذکور کی جانب نہیں ہوتی۔ گویا کہ شقاوت تمام تر انسانوں کے اپنے افعال و اعمال کا نتیجہ ہے جبکہ سعادت میں عطیۂ الٰہی ہونے کا پہلو غالب ہے۔ چنانچہ اسی کی جانب مزید واضح اشارہ ہو گیا آیاتِ زیر درس کے آخری الفاظ یعنی "عَطَاۤءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ" میں کہ یہ عطا ہے کسب نہیں! اسی حقیقت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ادا فرمایا کہ کوئی انسان محض اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک کہ رحمتِ خداوندی دستگیری نہ کرے۔ اس پر کسی صحابی (رضی اللہ عنہ) نے ہمت کر کے یہ پوچھ ہی لیا کہ "حضورؐ کیا آپ بھی؟" جس کے جواب میں آنحضورؐ نے فرمایا: "ہاں! میں بھی!" فصلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلّم!

اہل جہنم کے لیے اس مقام پر دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں 'زفیر' اور 'شہیق'۔ اہل عرب ان دونوں کا اطلاق گدھے کے چیخنے چلّانے پر کرتے تھے۔ چنانچہ وہ آواز جو اس وقت نکلتی ہے جب گدھا سانس باہر کو نکالتا ہے اسے وہ زفیر سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اس سے بھی مکروہ تر آواز اس وقت نکلتی ہے جب وہ سانس اندر کی جانب کھینچتا ہے اسے شہیق کہتے ہیں۔ اہل جہنم کی چیخ پکار کے لیے ان دونوں الفاظ کے استعمال میں تحقیر اور تضحیک کا جو پہلو ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

قرآن حکیم میں جنّت اور دوزخ دونوں کے لیے خلود کا لفظ بے شمار مرتبہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہمیشہ رہنے کے ہیں۔ دوامِ مطلق کا تصور ظاہر ہے کہ انسان کے لیے محال عقلی ہے، اس لیے کہ اس کا ذہن اور اس کی سوچ کے تمام پیمانے محدود ہیں، اور اس میں لامحدود زمانے کا تصور سمانا ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر شخص اس کا تصوّر اپنے ذہن و فکر کی وسعت یا تنگی کی نسبت سے قائم کرنے پر مجبور ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے مقامات پر قرآن "خلود" پر 'اَبَدًا' کے لفظ کا اضافہ کرتا ہے تاکہ انسانوں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کا تصورِ خلود کے ضمن میں کچھ اور آگے بڑھ سکے۔ سورۂ ہود کی زیرِ درس آیات میں ایک بالکل منفرد پیرایۂ بیان استعمال ہوا ہے یعنی "مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" یعنی جب تک قائم رہیں آسمان اور زمین!۔ اس ضمن میں یہ بات تو بالکل واضح ہے اور اس پر جمیع مفسرین کا اجماع و اتفاق بھی ہے کہ ان سے مراد موجودہ زمین و آسمان نہیں بلکہ عالمِ آخرت کے زمین و آسمان ہیں۔ اس لیے کہ یہ امر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ وقوعِ قیامت پر زمین و آسمان کی موجودہ بساط لپیٹ دی جائے گی اور بالکل نئے قوانینِ طبعی کے ساتھ نئے زمین و آسمان وجود میں آئیں گے، جیسے کہ فرمایا: "یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ" یعنی "جس دن کہ ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو جیسے کہ کتابوں کے طومار لپیٹ دیئے جاتے ہیں" یا جیسے فرمایا کہ: "یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ" یعنی "جس دن کہ زمین و آسمان تبدیل کر دیئے جائیں گے" اور یہ بات ہرگز خلافِ قیاس نہیں کہ عالمِ آخرت کے یہ زمین و آسمان ابدی ہوں اور ان میں پھر کسی تغیّر و تبدل کا امکان ہو نہ اختتام و انہدام کا۔ یا یہ بھی عین ممکن ہے کہ "مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" کے الفاظ بطورِ محاورہ استعمال ہوئے ہوں اور کنایہ ہوں ابدیت کے لیے۔ بہرحال یہی دو تعبیریں اہلِ سنت کے مجمع علیہ عقائد کے مطابق ممکن ہیں۔ البتہ ایک خفیف سا امکان اس اندازِ تعبیر و بیان سے اس امر کا بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک نہایت دور و دراز اور طول و طویل مدت کے بعد جس کی درازی کا تصور ذہنِ انسانی صرف خلود اور ابد ہی کے الفاظ کے حوالے سے کر سکتا ہے ایک وقت آ سکتا ہے کہ کل سلسلۂ تخلیق اور پورا عالمِ کون و مکان جس طرح آغاز میں عدمِ محض سے عالمِ وجود میں آیا تھا اسی طرح ایک بار پھر عدمِ محض کے پردے میں گم ہو جائے۔ اور سوائے ذاتِ واجب الوجود کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ اسی کی جانب ایک لطیف سا اشارہ سورۃ الرحمٰن کے ان الفاظِ مبارکہ میں بھی ملتا ہے کہ "کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ"۔ اگرچہ یہ معاملہ اس اعتبار سے بہت عجیب ہے کہ بعض عارفین کے نزدیک تو اس وقت بھی صورتِ واقعہ یہی ہے کہ فی الحقیقت موجود ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف وہم و خیال کے درجے میں ہے فی الواقع موجود نہیں بقولِ شاعر "کل ما فی الکون وھمٌ اوخیال۔ اوعکوسٌ فی المرایا اوظلال!" یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ یا وہم و خیال کے درجے میں ہے یا آئینوں میں نظر آنے والے عکس یا سائے کے درجے میں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" کے الفاظِ مبارکہ پر مزید منفرد اور انوکھا اضافہ آیاتِ زیرِ درس میں "اِلَّا مَاشَاءَ رَبُّکَ" کے الفاظ سے ہوا ہے، یعنی "سوائے اُس کے جو چاہے تیرا ربّ!" ان الفاظِ مبارکہ کا مدلول وہ تو لازماً ہے ہی جس کی جانب اشارہ کیا ہے تمام مفسّرین نے کہ جملہ صفاتِ باری تعالیٰ کی طرح مشیّتِ ایزدی بھی اطلاقی شان کی حامل ہے اور اللہ خود اپنے بنائے ہوئے کسی قاعدہ وقانون کا بھی پابند نہیں ہے کہ ایک مرتبہ بنانے کے بعد معاذ اللہ وہ عاجز ہو جائے اور اس میں کوئی ردّ و بدل نہ کر سکے! وہ مختارِ مطلق ہے جو چاہے کرے۔ مزید برآں اس استثناء سے جہنّم کے ضمن میں تو اہلِ سنت کے اس عقیدے کی تائید کا پہلو نکلتا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والے سب لوگ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ گناہگار مومن اپنے گناہوں کی نسبت سے سزا پا کر وہاں سے نکل آئیں گے۔ اور کیا عجب کہ اہلِ جنّت کے ضمن میں بھی اس استثناء کا مطلب یہ ہو کہ تمام اہلِ جنّت بھی ہمیشہ جنّت ہی میں نہ رہیں بلکہ وہ سب یا ان میں سے کچھ اس سے بھی اعلیٰ کیفیت کی طرف منتقل کر دیئے جائیں بقول شاعر ؏ "ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!" اور ؏ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!" واللہ اعلم بالصواب۔

مزید برآں جہنّم اور اہلِ جہنّم کے ذکر میں "اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" کے الفاظ اور اس کے مقابلے میں جنّت اور اہلِ جنّت کے ذکر میں "عَطَاءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ" کے الفاظ کا استعمال بھی بلا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ بقول غالب ؏ "گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیو۔ جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے!" الفاظ و اندازِ بیان کے اس فرق و تفاوت سے جنّت اور دوزخ کے دوام و خلود میں کسی لطیف فرق کا سراغ ضرور ملتا ہے جس کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے دو مقامات پر یعنی سورۃ التغابن اور سورۃ البیّنۃ میں اہلِ جہنّم کے ضمن میں صرف "خٰلِدِیْنَ فِیْهَا" کے الفاظ پر اکتفاء اور اہلِ جنّت کے ذکر میں ان پر "اَبَدًا" کے اضافے سے اور اگرچہ یہ بات مجمع علیہ عقائد کے مطابق تو نہیں تاہم یہ نکتہ قابلِ لحاظ ہے کہ اس معاملے میں دو بالکل متضاد مزاج کے حامل بزرگوں کا اتفاقِ رائے بہت غیر معمولی بات ہے یعنی یہ کہ کتاب و سنت کے علوم کے بحرِ ذخار امام ابن تیمیہؒ اور طائفۂ صوفیاء کے سرخیل شیخ ابن عربیؒ دونوں کی رائے یہ ہے کہ دوام و ابدیّتِ مطلقہ صرف جنّت کو حاصل ہے، دوزخ اگرچہ نہایت طویل نہایت طویل مدت، بلکہ تقریباً دوام ہی کی حد تک قائم رہے گی لیکن اسے ابدیتِ مطلقہ بہرحال حاصل نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com